ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2964

Program: BS

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: منتخب آیات الاحکام حدیث الاحکام (2964) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ تخصص شریعہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ: 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: ارتداد کے احکام اور عصرِ حاضر میں اس کے اطلاق پر مختلف آراء (20 نمبر)

سوال نمبر 1: ارتداد کے احکام کی تشریح کریں اور عصرِ حاضر میں ان کے اطلاق سے متعلق مختلف آراء کا تجزیہ کریں۔ (20)

تعارف

ارتداد فقہِ اسلامی کے اہم اور حساس ابواب میں سے ایک ہے، کیونکہ اس کا تعلق عقیدے کی آزادی، ریاست کے نظام اور فرد کے حقوق جیسے بنیادی سوالات سے ہے۔ یہ موضوع آیات الاحکام کے مطالعے میں اس لیے بھی اہم ہے کہ اس سے متعلق آیات اور احادیث کو فقہاء نے مختلف اسالیب سے سمجھا ہے اور عصرِ حاضر میں اس پر علمی بحثیں خاصی وسعت اختیار کر چکی ہیں۔ اس جواب میں پہلے ارتداد کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور اس کی اقسام بیان کی جائیں گی، پھر کلاسیکی فقہ کی روشنی میں اس کے احکام کی تشریح پیش کی جائے گی، اس کے بعد عصرِ حاضر میں اطلاق سے متعلق مختلف علمی آراء کا منصفانہ جائزہ لیا جائے گا۔ یہاں یہ وضاحت ابتدا ہی میں ضروری ہے کہ اس جواب کا مقصد خالص علمی مطالعہ ہے؛ کسی بھی فرد کے بارے میں ارتداد کا فیصلہ کرنا نہ طالب علم کا کام ہے اور نہ کسی غیر مجاز شخص کا، بلکہ یہ اہلِ علم اور قانونی و عدالتی اداروں کا دائرہ ہے، اور طالب علم کو اس باب میں ہمیشہ یہی احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے۔

ارتداد کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

ارتداد عربی لفظ ردّ سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے، پلٹنے اور واپس ہونے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ارتداد سے مراد اسلام قبول کرنے کے بعد اسے ترک کر دینا ہے، اور ایسا کرنے والے مرد کو مرتد اور عورت کو مرتدہ کہا جاتا ہے۔ فقہاء نے اس کی تعریف میں عموماً تین شرائط رکھی ہیں: پہلی یہ کہ شخص پہلے مسلمان ہو، دوسری یہ کہ وہ عاقل اور بالغ ہو، کیونکہ نابالغ یا مجنون کے قول و فعل پر شرعی احکام اسی طرح مرتب نہیں ہوتے، اور تیسری یہ کہ ارتداد اختیاری ہو، یعنی اس پر کوئی جبر نہ کیا گیا ہو۔ فقہی کتب میں ارتداد کی صورتیں قول، فعل اور اعتقاد تینوں سے متعلق بیان ہوئی ہیں: واضح انکاری قول، ایسا عمل جو عقیدے کی صریح نفی پر دلالت کرے، یا ایسا اعتقاد جو ایمان کی بنیادوں کے منافی ہو۔ البتہ فقہاء نے اسی کے ساتھ یہ اصول بھی مقرر کیا ہے کہ محض شبہ، اجتہادی اختلاف یا کسی متشابہ بات کی تاویل کو ارتداد قرار نہیں دیا جا سکتا، اور کسی مسلمان کے بارے میں کفر کا حکم لگانے میں انتہائی احتیاط برتی گئی ہے۔ اسی احتیاط کی وجہ سے متکلمین اور فقہاء نے تکفیر کے باب میں سخت شرائط رکھی ہیں کہ جب تک بات صریح اور قطعی نہ ہو، مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھا جائے گا۔

قرآن وسنت کی روشنی میں عمومی خطوط

قرآن مجید میں ارتداد کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے، جہاں اس کے اخروی انجام پر زیادہ زور دیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ مرتد کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور آخرت میں اس کے لیے سخت انجام ہے۔ سورۃ البقرہ میں ایمان میں جبر کی نفی کا واضح اصول بھی بیان ہوا ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ اس کے برعکس بعض احادیث میں اس دور کے قانونی نظام کے تناظر میں ارتداد کی دنیوی سزا کا ذکر بھی ملتا ہے، اور کلاسیکی فقہ نے ان نصوص کو سامنے رکھ کر اپنے احکام مرتب کیے ہیں۔ علما نے ان نصوص کے اجتماع کو مختلف طرح سمجھا ہے: ایک بڑی رائے یہ ہے کہ آیات میں اخروی سزا اصل ہے اور احادیث کا تعلق اس مخصوص تاریخی ریاست سے تھا جہاں دین سے نکلنا عملاً ریاست سے بغاوت اور جنگی دشمنی کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ دنیوی سزا شریعت کا مستقل حکم ہے، انہی شرائط کے ساتھ نافذ ہو گا جن کے ساتھ حدود کا نفاذ ہوتا ہے۔ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں آراء کو ان کے دلائل کے ساتھ نصوص کے مجموعے میں رکھ کر دیکھے اور کسی ایک بات کو زبانی انداز میں حتمی قرار دینے سے گریز کرے، کیونکہ یہ علمی امانت کا تقاضا ہے۔

کلاسیکی فقہ میں احکام کی تشریح

جمہور فقہاء کے نزدیک بالغ و عاقل مرد کے ارتداد پر سخت دنیوی سزا مقرر تھی، البتہ اس کے نفاذ سے پہلے توبہ کی مہلت یعنی استتابۃ کو ضروری یا مستحب قرار دیا گیا، بعض کے نزدیک تین دن کی مہلت دی جائے گی تاکہ شبہ دور ہو اور شخص غور کر سکے۔ عورت کے بارے میں فقہاء میں اختلاف مشہور ہے: جمہور کے نزدیک اس کا حکم وہی ہے جو مرد کا ہے، جبکہ احناف کے نزدیک مرتدہ کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے توبہ پر آمادہ کرنے کے لیے قید رکھا جائے گا، اور احناف اپنے موقف کی دلیل میں عورتوں کے قتل کی ممانعت سے متعلق نصوص اور علت کے فرق کو پیش کرتے ہیں۔ فقہاء نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ سزا کا نفاذ بہر حال فرد کا کام نہیں بلکہ صرف ریاست اور اس کی عدالت کا اختیار ہے، اور اس میں بھی اقرار یا قطعی ثبوت شرط ہے۔ اس کے ساتھ مرتد کے مال، نکاح اور وراثت سے متعلق مدنی احکام بھی بیان ہوئے ہیں، مثلاً نکاح کا فسخ ہونا اور مال کے بارے میں اس کی زندگی اور موت کی مختلف صورتوں میں احکام۔ علاوہ ازیں فقہاء نے ایسے شخص کو ارتداد سے مستثنیٰ رکھا ہے جو اکراہ یعنی جان کے خوف سے مجبور ہو کر زبان سے کچھ

کہہ دے مگر دل سے مومن رہے، کیونکہ قرآن نے اس صورت کو معاف قرار دیا ہے۔ یہ تفصیلات دکھاتی ہیں کہ کلاسیکی نظام میں بھی یہ باب بے لگام نہیں تھا بلکہ شرائط، مہلت اور ریاستی اختیار کے دائرے میں بندھا ہوا تھا۔

جدول 1: کلاسیکی فقہ میں ارتداد کے مباحث کا خلاصہ

موضوع	کلاسیکی فقہ کا عمومی نقشہ	احتیاطی اصول
تعریف و شرائط	اسلام کے بعد اختیاراً کفر کا اعلان؛ بلوغ، عقل اور اختیار شرط	شبہ یا تاویل کی صورت میں تکفیر نہیں
مرد کا حکم	جمہور کے نزدیک سخت سزا، مگر استتابۃ یعنی توبہ کی مہلت کے بعد	نفاذ صرف ریاست و عدالت کے اختیار میں
عورت کا حکم	جمہور اور احناف میں مشہور اختلاف؛ احناف کے نزدیک قید، قتل نہیں	اختلافِ فقہی کا احترام اور نصوص کی جمع
مجبور شخص	اکراہ کی صورت میں معذور، دل سے مومن ہو تو ارتداد نہیں	ظاہری قول پر دل کی حالت کو ترجیح
مدنی اثرات	نکاح، مال اور وراثت کے متعلق تفصیلی احکام	ہر اثر کا فیصلہ عدالت سے مشروط

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

عصرِ حاضر میں اطلاق سے متعلق مختلف آراء کا تجزیہ

عصرِ حاضر میں اس موضوع پر کم از کم تین بڑے علمی رجحانات نظر آتے ہیں۔ پہلا رجحان روایتی فقہی موقف کا ہے جس کے حامل علما کہتے ہیں کہ کلاسیکی احکام نصوص پر مبنی ہیں اور ایک اسلامی ریاست اپنے قانونی نظام میں انہیں انہی شرائط کے ساتھ رکھ سکتی ہے؛ تاہم اس رجحان کے سنجیدہ علماء بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آج بیشتر مسلمان معاشروں میں وہ نظامِ عدالت اور شرائط موجود نہیں جن کے بغیر ایسے احکام کا اطلاق ممکن نہیں، اور فرد یا ہجوم کا کسی کو سزا دینا خود ایک سنگین جرم اور فساد ہے۔ دوسرا رجحان ان جدید محققین کا ہے جو کہتے ہیں کہ کلاسیکی سزا کا اصل سبب محض عقیدے کی تبدیلی نہیں بلکہ محاربہ، بغاوت اور مسلح دشمنی تھا؛ ان کے نزدیک محض دل سے ایمان ترک کرنے پر قرآن نے دنیوی سزا بیان نہیں کی بلکہ معاملہ آخرت پر چھوڑا ہے، اور وہ جبر کی نفی والی آیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے ان واقعات کو دلیل بناتے ہیں جہاں عقیدہ بدلنے والوں کو بغاوت کے بغیر سزا نہیں دی گئی۔ تیسرا رجحان متوسط ہے جو دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے: اس کے نزدیک فقہی آراء کا اختلاف اور تاریخی پس منظر اس بات کا متقاضی ہے کہ عصرِ حاضر میں اس باب کا عملی فیصلہ صرف اجتماعیت، قانون سازی اور عدالت کے ذریعے ہو، اور اس وقت تک کسی شخص کے خلاف کوئی اقدام علماً و قانوناً درست نہیں۔

ان آراء کے تجزیے سے چند نکات واضح ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اختلاف کی جڑ نصوص کی سمجھ اور تاریخی قرینوں کی تعیین میں ہے، اس لیے یہ اختلاف علمی نوعیت کا ہے جسے علمی اسلوب سے ہی سمجھنا چاہیے۔ دوم یہ کہ تمام سنجیدہ آراء اس پر متفق ہیں کہ خود ساختہ تشدد، ہجوم کی سزا اور الزام کی بنیاد پر کسی کی جان لینا اسلام کے قانون اور اخلاق دونوں کے خلاف ہے، کیونکہ سزا کا اختیار بہرصورت عدالت کا ہے۔ سوم یہ کہ آج کے کثیر الاعتقادی معاشروں میں تبلیغ و دعوت کا اصل میدان دلیل، اخلاق اور کردار ہے، اور علما کے نزدیک ایمان کی قدر و قیمت اسی وقت قائم رہتی ہے جب وہ رضا اور فہم سے ہو۔ پاکستان جیسے ممالک میں اس موضوع سے متعلق قوانین اور ان کے مباحث پارلیمانی و عدالتی دائرے میں ہوتے ہیں، اور طالب علم کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ ان مباحث کو دستوری و قانونی تعلیم کے طور پر پڑھے، ان پر حتمی ذاتی رائے قائم کرنے یا اسے کسی فرد پر لاگو کرنے سے پرہیز کرے، اور اختلافی مسائل میں اہلِ علم کی طرف رجوع کو اپنا اصول بنائے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ارتداد کی کلاسیکی تشریح میں تعریف، شرائط، استتابۃ، صنفی اختلاف اور مدنی اثرات کا ایک مفصل نظام موجود ہے جو نصوص اور اس دور کی ریاست کے پس منظر میں سمجھنا چاہیے۔ عصرِ حاضر میں اس کے اطلاق پر روایتی، تحقیقی اور متوسط تین بڑے علمی رجحانات پائے جاتے ہیں جن کا اختلاف نصوص کی تفہیم اور بغاوت و عقیدے کے فرق کی تعیین میں ہے۔ سب سے اہم عملی نتیجہ یہ ہے کہ کسی فرد پر اس باب کا اطلاق، فیصلہ یا سزا ہر گز افراد یا ہجوم کا کام نہیں؛ یہ صرف اہلِ علم، قانون اور عدالت کا دائرہ ہے، اور اس گائیڈ میں یہ ساری بحث خالص تعلیمی و علمی مطالعے کے طور پر پیش کی گئی ہے تاکہ طالب علم فقہی میراث کو بھی سمجھے اور عصرِ حاضر کی بحثوں کا متوازن جائزہ بھی لے سکے۔

سوال نمبر2: حدِ زنا اور حدِ قذف کے نفاذ کے تقاضے اور ثبوت کے اصول (20 نمبر)

سوال نمبر2: حدِ زنا اور حدِ قذف کے نفاذ کے تقاضوں کو بیان کریں اور ثبوت کے اصولوں کا جائزہ لیں۔ (20)

تعارف

حدود کے باب میں حدِ زنا اور حدِ قذف کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ یہ دونوں نسب، عزت اور خاندان جیسے بنیادی مصالح سے متعلق ہیں۔ آیات الاحکام میں سورۃ النور کی ابتدائی آیات نے اس پورے نظام کی بنیاد رکھی ہے، اور فقہاء نے اسی سے نفاذ کے تقاضے اور ثبوت کے اصول اخذ کیے ہیں۔ اس جواب میں پہلے دونوں حدوں کا تعارف اور ان کی حکمت بیان ہو گی، پھر ان کے نفاذ کے شرعی و قانونی تقاضے تفصیل سے پیش کیے جائیں گے، اور آخر میں ثبوت کے اصولوں کا جائزہ لیا جائے گا جس سے واضح ہو گا کہ اسلامی قانون نے الزام لگانے کو کس قدر مشکل اور سزا کو کس قدر محتاط بنایا ہے۔ یہ بحث بھی خالص علمی و تعلیمی ہے؛ حدود کا نفاذ ہر دور میں ریاست اور اس کی عدالتوں کا کام رہا ہے اور کسی فرد کو اس میں مداخلت کا کوئی اختیار نہیں۔

حدِ زنا اور حدِ قذف کا تعارف اور حکمت

زنا سے مراد شرعی حدود سے باہر جنسی تعلق ہے، اور اس کی حد قرآن و سنت سے متعین ہے جس میں مجرم کی حالت کے اعتبار سے کوڑوں کی سزا اور شادی شدہ مجرم کے بارے میں فقہاء کے ہاں سنت کی بنیاد پر سخت تر سزا کا ذکر آتا ہے۔ اس حد کی حکمت نسب کا تحفظ، خاندان کا استحکام، عفت و پاکدامنی کا ماحول اور معاشرے کو ان امراض و اخلاقی فساد سے بچانا ہے جو آزاد جنسی تعلقات سے پیدا ہوتے ہیں۔ قذف سے مراد کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانا ہے، اور اس کی حد اسی کوڑے مقرر کی گئی ہے اور ساتھ یہ حکم بھی ہے کہ ایسے شخص کی گواہی آئندہ قبول نہ کی جائے۔ قذف کی حد دراصل مزید و آبرو کے تحفظ کی ضمانت ہے: جب قانون زنا کو سنگین جرم قرار دیتا ہے تو اسی توازن سے یہ بھی ضروری ہے کہ بے بنیاد الزام بھی سنگین جرم ہو، ورنہ ہر شخص کی عزت دوسروں کی زبان کے رحم و کرم پر رہ جائے گی۔ دونوں حدوں کو ملا کر دیکھنے سے اسلامی قانون کا بنیادی مزاج ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قانون عفت کا بھی محافظ ہے اور عزت کا بھی، اور کسی ایک کے تحفظ کے لیے دوسرے کو قربان نہیں کرتا۔

نفاذ کے تقاضے

حدود کے نفاذ کے تقاضوں میں سب سے پہلا تقاضا قانونی اختیار ہے، یعنی سزا صرف ریاست کی مقرر کردہ عدالت دے سکتی ہے اور اس کا اجرا مجاز ادارے کریں گے؛ از خود سزا دینا خود ایک جرم ہے۔ دوسرا تقاضا اہلیت ہے: مجرم بالغ و عاقل ہو، اس نے عمل اختیار سے کیا ہو اور وہ شرعی مکلف ہو؛ نابالغ، مجنون اور مجبور پر حد جاری نہیں ہوتی۔ تیسرا تقاضا شبہ کا نہ ہونا ہے، کیونکہ مشہور فقہی اصول یہ ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں؛ اگر نکاح میں کوئی شبہ موجود ہو، یا عمل کی نوعیت میں کوئی معقول ابہام ہو، تو حد کے بجائے معاملہ تعزیر یا بریت کی طرف جاتا ہے۔ چوتھا تقاضا ثبوت کا شرعی معیار پورا کرنا ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ پانچواں تقاضا یہ ہے کہ ماحول اور نظام بھی دیکھا جائے؛ بہت سے فقہاء اور مفکرین نے اس نکتے پر بحث کی ہے کہ حدود کا اصل مقصد عدل پر مبنی معاشرے کا قیام ہے، اس لیے ان کے نفاذ کا تعلق اسی عدالتی و سماجی نظام سے ہے جس میں غریب و امیر کے لیے یکساں قانون، دیانت دار گواہی اور منصفانہ سماعت موجود ہو۔ چھٹا تقاضا توبہ اور رجوع کا دروازہ ہے: حد ثابت ہونے سے پہلے توبہ اور اصلاح

کی گنجائش رکھی گئی ہے، اور اقرار سے رجوع کر لینے پر بھی فقہاء کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظام کا مقصد سزا کی نمائش نہیں بلکہ اصلاح اور روک تھام ہے۔

ثبوت کے اصولوں کا جائزہ

ثبوت کے باب میں حدِ زنا کے لیے اسلامی قانون نے دنیا کے سخت ترین معیارات میں سے ایک مقرر کیا ہے: چار ایسے عادل مرد گواہ درکار ہیں جنہوں نے خود فعل کو واضح طور پر دیکھا ہو، ان کی گواہی میں وقت، جگہ اور کیفیت میں اتفاق ہو اور ان میں سے کسی کی گواہی میں اختلاف یا کمی واقع ہو جائے تو حد قائم نہیں ہوتی بلکہ الزام لگانے والے خود قذف کے مجرم بن سکتے ہیں۔ اس سخت معیار کا مقصد یہ سمجھا گیا ہے کہ سزا سے زیادہ زور اس بات پر ہے کہ معاشرے میں اس فعل کی تشہیر ہی نہ ہو اور الزام تراشی کا دروازہ بند رہے۔ دوسرا طریقہ اقرار ہے، مگر اقرار بھی بار بار، عاقلانہ اور واضح ہونا چاہیے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے واقعات سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ قاضی اقرار کرنے والے کو ٹالنے اور رجوع کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے اور کسی دباؤ کے تحت دیے گئے اقرار کا اعتبار نہیں۔ جدید ذرائع، مثلاً طبی و فرانزک شہادت، کے بارے میں فقہاء کے ہاں یہ بحث موجود ہے کہ انہیں قرائن کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے مگر حد کے اس خاص معیار کا متبادل قرار دینے میں احتیاط برتی گئی ہے، کیونکہ حد کا معیار نص سے متعین ہے۔ قذف کے ثبوت میں معاملہ الٹ ہے: تہمت لگانے والے کو اپنے الزام پر چار گواہ پیش کرنے ہوتے ہیں، ناکامی کی صورت میں خود حدِ قذف کا مستحق ہوتا ہے، اس کی گواہی رد ہو جاتی ہے اور اسے فاسق قرار دیا جاتا ہے، البتہ توبہ و اصلاح کے بعد اس کے مدنی حقوق کی بحالی کے بارے میں فقہاء نے تفصیل بیان کی ہے۔ اس دو طرفہ سختی سے ثبوت کے اصولوں کا خلاصہ نکلتا ہے: الزام مشکل، دفاع آسان، شبہ بریت کے حق میں، اور پوچھ گچھ کا مرکز مجرم کی ذات نہیں بلکہ شہادت کا معیار ہے۔

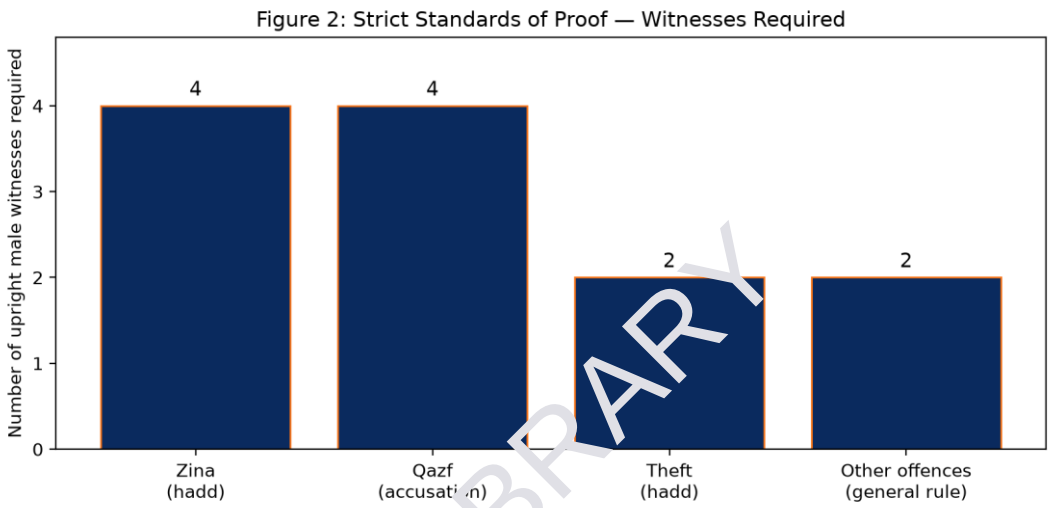

خاکہ 1: حدود میں ثبوت کی سختی — مطلوبہ گواہوں کی تعداد

جدول 2: حدِ زنا اور حدِ قذف کا موازنہ

پہلو	حدِ زنا	حدِ قذف
جرم	شرعی حدود سے باہر جنسی تعلق	پاکدامن پر زنا کی جھوٹی تہمت
تحفظ یافتہ مصلحت	نسب، عفت اور خاندان	عزت و آبرو اور ساکھ
ثبوت کا معیار	چار عادل گواہ یا درست اقرار	الزام لگانے والے پر چار گواہ لانا لازم
شبہ کا اثر	شبہ سے حد ساقط	ثبوت نہ دے سکے تو خود مجرم
فقہی رویہ	نفاذ میں انتہائی احتیاط	الزام تراشی کی حوصلہ شکنی

خلاصہ و نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ حدِ زنا اور حدِ قذف باہم متوازن نظام ہیں: ایک عفت کی حفاظت کرتا ہے اور دوسرا عزت کی، اور دونوں کے نفاذ کے تقاضوں میں قانونی اختیار، اہلیت، شبہ کا فقدان اور سخت ثبوت بنیادی شرائط ہیں۔ ثبوت کے اصول کا جائزہ دکھاتا ہے کہ اسلامی قانون میں سزا کا مقصد خوف پھیلانا نہیں بلکہ جرم کی روک تھام کے ساتھ بے گناہ کی مکمل حفاظت بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ الزام کا معیار اتنا بلند رکھا گیا کہ عملاً اس کا حصول مشکل ہو جائے۔ طالب علم کے لیے اہم سبق یہ ہے کہ حدود کو ان کے پورے عدالتی و اخلاقی نظام کے اندر سمجھنا چاہیے، الگ تھلگ سزا کے طور پر نہیں۔

سوال نمبر 3: شراب اور قمار کی ممانعت کے اسباب اور معاشرتی نقصانات (20 نمبر)

سوال نمبر 3: شراب اور قمار کی ممانعت کے اسباب کو بیان کریں اور ان کے معاشرتی نقصانات پر بحث کریں۔ (20)

تعارف

شراب اور قمار ان برائیوں میں سے ہیں جنہیں قرآن مجید نے ایک ہی سیاق میں ذکر کر کے شیطانی عمل قرار دیا ہے اور ان سے اجتناب کو فلاح کی شرط بتایا ہے۔ آیات الاحکام کے اس یونٹ میں سورۃ المائدہ کی آیات اسی موضوع سے متعلق ہیں، جن میں شراب نوشی اور جوئے کی تدریجی ممانعت کے بعد قطعی حرمت کا اعلان کیا گیا۔ اس جواب میں پہلے دونوں کا مفہوم اور ممانعت کی تدریج بیان ہو گی، پھر حرمت کے اسباب و علتیں تفصیل سے پیش کی جائیں گی، اور آخر میں ان کے فردی، خاندانی اور معاشرتی نقصانات پر بحث کی جائے گی تاکہ واضح ہو کہ یہ ممانعت محض مذہبی پابندی نہیں بلکہ انسان کی عقل، مال اور معاشرے کی حفاظت کا ہمہ گیر نظام ہے۔

مفہوم اور ممانعت کی تدریج

شرعاً خمر سے مراد ہر وہ نشہ آور چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے، اور فقہاء نے علت یعنی نشے کی بنیاد پر یہ حکم ہر نشہ آور شے تک پھیلایا ہے، چاہے وہ انگور سے بنی ہو یا کسی اور چیز سے، اور مقدار کم ہو یا زیادہ، کیونکہ جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ دے اس کی کم مقدار بھی اسی حکم میں داخل سمجھی گئی ہے۔ قمار یا میسر سے مراد ہر ایسا کھیل اور معاملہ ہے جس میں مال شرط پر لگایا جائے اور ایک فریق کا نفع دوسرے کے نقصان پر موقوف ہو، یعنی محنت اور پیداوار کے بغیر اتفاقی جیت اور ہار کا نظام ہو۔ ممانعت کی تدریج اس موضوع کی خاص خصوصیت ہے: پہلے مرحلے میں سورۃ البقرہ میں بتایا گیا کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں مگر گناہ فائدوں سے بڑا ہے؛ دوسرے مرحلے میں نشے کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے روکا گیا؛ اور تیسرے مرحلے میں سورۃ المائدہ میں قطعی حکم آ گیا کہ یہ شیطان کے گندے اعمال ہیں، ان سے بچو تاکہ فلاح پاؤ۔ اس تدریج سے شریعت کا ایک اہم اصول سمجھ میں آتا ہے کہ گہری جڑیں رکھنے والی معاشرتی عادات کو اصلاح کرتے وقت انسانی نفسیات کا لحاظ رکھا جاتا ہے، مگر آخری حکم واضح اور قطعی ہوتا ہے۔

ممانعت کے اسباب و علتیں

شراب کی حرمت کی سب سے بڑی علت قرآن نے خود بیان کر دی ہے کہ شیطان شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈالنا چاہتا ہے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔ اس ایک آیت میں کئی اسباب جمع ہیں: پہلا سبب عقل کا تحفظ ہے، کیونکہ عقل ہی انسان کی مکلفیت اور تمیز کی بنیاد ہے اور نشہ عقل کو معطل کر دیتا ہے، اسی لیے حفاظتِ عقل کو شریعت کے بنیادی مقاصد میں شمار کیا گیا ہے۔ دوسرا سبب عبادت اور یادِ الٰہی سے غفلت ہے، کیونکہ نشے کی لذت انسان کو فرائض سے غافل کر دیتی ہے۔ تیسرا سبب معاشرتی فساد ہے: نشے کی حالت میں لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ، تشدد اور جرائم کی شرح بڑھ جاتی ہے، اور تاریخ و تجربہ دونوں گواہ ہیں کہ شرابی کے ہاتھوں ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو ہوش کی حالت میں وہ کبھی نہ کرتا۔ قمار کی حرمت کے اسباب اس سے الگ نوعیت کے ہیں: یہ بغیر محنت کے دوسرے کا مال کھانے کی صورت ہے جسے قرآن نے باطل طریقے سے مال کھانے سے تعبیر کیا ہے؛ اس میں ہارنے والے کے دل میں جیتنے والے کے لیے بغض اور دشمنی پیدا ہوتی ہے؛ یہ انسان کو جائز کسب اور محنت

سے بے نیاز کر کے اتفاق اور لالچ کا عادی بناتا ہے؛ اور اس میں وقت اور مال کی وہ بربادی ہے جو اہلِ خانہ کے حقوق کی ادائیگی سے محروم کر دیتی ہے۔ یوں دونوں کی ممانعت کی مشترکہ علت معاشرے میں فساد، دشمنی اور حقوق کی پامالی ہے، اور یہی وہ اسباب ہیں جو جدید سائنسی و سماجی تحقیق بھی بڑی حد تک تسلیم کرتی ہے۔

معاشرتی نقصانات پر بحث

شراب نوشی کے معاشرتی نقصانات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ صحت کے اعتبار سے یہ جگر، دل اور دماغ کی خطرناک بیماریوں، حادثات اور ذہنی امراض کا باعث بنتی ہے اور نشے کی لت پورے خاندان کو معاشی بدحالی میں دھکیل دیتی ہے، کیونکہ آمدنی کا بڑا حصہ اس عادت پر خرچ ہوتا ہے اور کام کی صلاحیت گھٹتی جاتی ہے۔ خاندانی سطح پر شراب گھریلو تشدد، طلاق و علیحدگی، بچوں کی تربیت کی تباہی اور اہلِ خانہ کی ذہنی اذیت سے جڑی ہوئی ہے، اور بہت سے سماجی مطالعات نشے اور گھریلو جرائم کے درمیان گہرا تعلق بتاتے ہیں۔ معاشرتی سطح پر ٹریفک حادثات، جائے کار کی کم پیداوار، نظامِ صحت پر بوجھ اور جرائم کی لاگت وہ نقصانات ہیں جو پورا معاشرہ ادا کرتا ہے، اس لیے مغربی ممالک بھی اس کی تشہیر، فروخت اور عوامی مقامات پر اس کے استعمال پر طرح طرح کی قانونی پابندیاں لگاتے ہیں، جو اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کے نقصانات کو ساری دنیا تسلیم کرتی ہے۔ قمار کے نقصانات معاشی ساخت پر زیادہ اثر ڈالتے ہیں: جوئے میں ہارنے والا قرضوں میں ڈوبتا ہے، کئی بار چوری، خیانت اور فراڈ جیسے جرائم کی طرف بڑھتا ہے، اور خودکشی تک کے المناک واقعات کی خبریں سامنے آتی رہتی ہیں۔ معیشت کی سطح پر قمار پیداواری سرمایہ کاری کے بجائے اتفاقی گردش کو فروغ دیتا ہے، لالچ اور قلیل مدتی سوچ پیدا کرتا ہے، اور جدید دور میں آن لائن جوئے، سٹے اور کرپٹو speculation جیسی صورتوں نے نوجوان نسل کو خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ اس پس منظر میں اسلامی ممانعت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سدِ ذریعہ کے اصول پر ان نقصانات کے دروازے ابتدا ہی میں بند کر دیے، اور فرد کی آزادی کو وہاں روکا جہاں سے دوسروں کے حقوق اور اپنی عقل و مال کی بربادی شروع ہوتی ہے۔

جدول 3: شراب اور قمار کے نقصانات کا خلاصہ

پہلو	شراب کے نقصانات	قمار کے نقصانات

ذہنی دباؤ، لت، خودکشی تک کے رجحانات	نشہ، جگر و دماغ کی بیماریاں، لت	عقل و صحت
قرض، معاشی تباہی، خاندانی ٹوٹ پھوٹ	گھریلو تشدد، اخراجات کی بربادی، تربیت کا فقدان	خاندان
غیر پیداواری گردش، فراڈ و خیانت کی طرف رجحان	پیداوار میں کمی، صحت و حادثات کی لاگت	معیشت
بغض و دشمنی، لالچ اور اتفاق پرستی	جرائم، حادثات، دشمنی و فساد	معاشرت
کسبِ حلال سے بے نیازی اور وقت کی بربادی	نماز و ذکر سے غفلت	دین و عبادت

خلاصہ و نتیجہ

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شراب اور قمار کی ممانعت کے اسباب قرآن نے خود بیان کر دیے ہیں: عقل کا تحفظ، عبادت کی حفاظت، اور معاشرے کو دشمنی و فساد سے بچانا۔ ان کے معاشرتی نقصانات آج صحت، معیشت اور خاندان کے میدانوں میں دستاویزی حقائق کی صورت میں سامنے ہیں، جس سے فقہاء کی وہ علت اور نشے والی تعمیم مزید واضح ہو جاتی ہے جس کے تحت ہر نشہ آور اور ہر قماری صورت ممنوع ہے۔ طالب علم کے لیے اصل سبق اصولِ سد ذریعہ اور تدریجی اصلاح کی حکمت ہے، جو اس یونٹ کی آیات کو آج کے مسائل، جیسے منشیات اور آن لائن جوئے، پر سمجھنے کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے۔

سوال نمبر 4: قصاص اور دیت کا تقابلی مطالعہ اور انصاف کے تقاضے (20 نمبر)

سوال نمبر 4: قصاص اور دیت کے نظام کا تقابلی مطالعہ پیش کریں اور انصاف کے تقاضوں کو واضح کریں۔ (20)

تعارف

قصاص اور دیت اسلامی قانونِ جرائم کا وہ منفرد نظام ہے جو قتل اور جسمانی زخم جیسے سنگین جرائم میں بدلہ، معاوضہ اور بخشش تینوں کو ایک متوازن ترکیب میں جمع کرتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیات میں قصاص کو زندگی قرار دیا گیا ہے یعنی اس قانون کا مقصد انتقام نہیں بلکہ انسانی جان کی حفاظت ہے۔ اس جواب میں پہلے قصاص اور دیت دونوں کی تعریف اور شرائط بیان ہوں گی، پھر ان کا باقاعدہ تقابلی مطالعہ جدول کی صورت میں پیش کیا جائے گا، اور آخر میں ان انصاف کے تقاضوں کو واضح کیا جائے گا جن کی روشنی میں یہ نظام جدید قانونِ تعزیرات سے ممتاز نظر آتا ہے۔ ہمیشہ کی طرح یہ واضح رہے کہ ان احکام کا اطلاق عدالت کا کام ہے اور یہ بحث صرف علمی مطالعے کے لیے ہے۔

قصاص: مفہوم، شرائط اور حکمت

قصاص کے لغوی معنی پیچھے چلنے اور برابر کا بدلہ لینے کے ہیں، اور اصطلاحاً اس سے مراد قتلِ عمد یا عمدی زخم کی صورت میں مجرم کے ساتھ ویسا ہی قانونی سلوک ہے جیسا اس نے کیا، یعنی جان کے بدلے جان کا اصول۔ فقہاء نے قصاص کے ثبوت کے لیے سخت شرائط رکھی ہیں: جرم عمدی ہو، قاتل بالغ و عاقل و مکلف ہو، مقتول معصوم الدم یعنی شرعاً محفوظ جان والا ہو، اور ثبوت اقرار یا معتبر گواہی سے شرعی معیار کے مطابق ہو۔ قصاص کا حق مقتول کے ورثاء یعنی اولیائے دم کو حاصل ہوتا ہے اور یہی اس نظام کی سب سے انوکھی بات ہے کہ یہ حق ریاست نے اپنے پاس رکھنے کے بجائے متاثرہ خاندان کو دیا ہے، مگر اس کے استعمال کا طریقہ بھی قانون کے ذریعے ہے اور فیصلہ واجر اعدالت کے سپرد ہے، از خود بدلہ لینا سختی سے ممنوع ہے۔ ورثاء کے سامنے تین راستے ہوتے ہیں: قصاص کا مطالبہ، دیت قبول کر کے معاف کرنا، یا بغیر معاوضے کے فی سبیل اللہ معاف کر دینا، اور قرآن نے معافی کو صدقہ اور کفارہ قرار دے کر اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔ قصاص کی حکمت یہ ہے کہ یہ انتقام کی آگ کو قانونی راستہ دے کر قبائلی کشت و خون کے سلسلے کو روکتا ہے، قاتل کے لیے سخت روک بنتا ہے، اور متاثرہ خاندان کے جذبات کو نظام کے اندر سمیٹ لیتا ہے۔

دیت: مفہوم، مقدار اور احکام

دیت اس مال کو کہتے ہیں جو قتلِ خطا، قتلِ شبہِ عمد یا بعض زخموں کی صورت میں، یا قصاص کے معاف ہونے پر، مقتول کے ورثاء کو دیا جاتا ہے۔ قرآن نے قتلِ خطا میں دیت کو گناہ سے مکمل بریت نہیں بلکہ اہلِ مقتول کو دیے جانے والا حق قرار دیا ہے اور ساتھ رقبہ آزاد کرنے جیسی کفاراتی صورت بھی رکھی ہے۔ قتلِ خطا میں دیت کی ادائیگی صرف قاتل پر نہیں بلکہ اس کے عاقلہ یعنی اس کے اہلِ تعلق و برادری پر بھی تقسیم ہوتی ہے، جس میں یہ حکمت ہے کہ اتفاقی حادثے کا بوجھ ایک فرد کو تنہا تباہ نہ کرے اور برادری اپنے افراد کی ذمہ داری محسوس کرے؛ جدید دور میں اس تصور کو اجتماعی بیمہ اور فلاحی نظام سے قریب تر سمجھا گیا ہے۔ دیت کی مقدار فقہاء کے نزدیک ایک متعین پیمانے سے مقرر ہے جسے زر کی صورت میں ریاست و عدالت وقت کے معیار کے مطابق تبدیل کرتی ہے، اور پاکستان کے قانون میں بھی دیت کی مالیت سلور یعنی چاندی کے نصاب سے جوڑ کر عدالت طے کرتی ہے اور اسے مقتول کے ورثاء میں وراثت کے اصولوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ زخموں کے نقصانات کے لیے، فقہ میں ارش کا نظام ہے جس میں ہر عضو اور ہر درجے کے نقصان کا تناسب پہلے سے مقرر ہے، مثلاً مکمل عضو کے ضیاع پر مکمل دیت اور جزوِ عضو پر اس کے تناسب سے ارش، جس سے عدالت کو اندازے کی بجائے ایک واضح جدول مل جاتا ہے۔

جدول 4: قصاص اور دیت کا تقابلی مطالعہ

پہلو	قصاص	دیت
نوعیت	بدنی سزا: جان کے بدلے جان، عضو کے بدلے عضو	مالی معاوضہ: مال کی ادائیگی
لاگو ہونے کی صورت	قتلِ عمد اور عمدی زخم	قتلِ خطا، شبہِ عمد، یا قصاص معاف ہونے پر
حق دار	اولیائے دم: مطالبہ، معافی یا دیت کا انتخاب	اولیائے دم: وصولی کا حق
ادائیگی کا ذمہ دار	بذاتِ مجرم پر سزا کا اجرا عدالت سے	قاتل اور قتلِ خطا میں اس کا عاقلہ بھی

معافی سے دیت بھی ساقط ہو سکتی ہے	معافی سے قصاص ساقط، دیت یا بلا معاوضہ بخشش	معافی کا اثر
نقصان کی تلافی اور خاندان کی مالی سہولت	روک تھام، مساوات اور انتقامی فساد کا خاتمہ	مقصد

تقابل کی مزید شرح اور انصاف کے تقاضے

دونوں نظاموں کا تقابل چند گہرے نکات ظاہر کرتا ہے۔ پہلا یہ کہ قصاص میں [illegible] جرم کی عمدی سنگینی پر ہے جبکہ دیت میں زور انسانی غلطی اور نقصان کی تلافی پر؛ یوں اسلامی قانون نیت اور درجہ جرم کے فرق کو نظام کا مرکز بناتا ہے، جو جدید قانون کے عمد و خطا کے فرق سے ہم آہنگ ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قصاص سزا کے ساتھ معافی کا قانونی دروازہ بھی رکھتا ہے، جس سے سزا کا نظام انتقام سے نکل کر اصلاح اور صلح کی طرف جا سکتا ہے؛ جدید قوانین میں بھی صلح و معاوضے کی صورتیں موجود ہیں مگر وہاں مقتول کے خاندان کو یہ مرکزی کردار حاصل نہیں جو قصاص و دیت میں حاصل ہے۔ تیسرا نکتہ مساوات ہے: قصاص کی آیات نے حر اور عبد اور مرد و عورت کی تمیز ختم کر کے یہ اعلان کیا کہ جان کی حرمت سب کے لیے برابر ہے، جو اس دور میں انقلابی اصول تھا۔ انصاف کے تقاضوں میں ان سب سے بڑھ کر درج ذیل شرائط ضروری ہیں: اول، ثبوت کا سخت معیار، کیونکہ غلط قصاص ناقابلِ تلافی ظلم ہے، اسی لیے شبہ کی صورت میں قصاص بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ دوم، عدالتی عمل میں یکسانیت، تاکہ مالدار مجرم دولت کے بل پر اور غریب بے بسی پر ناانصافی کا شکار نہ ہو۔ سوم، معافی یا دیت کا فیصلہ ورثاء کی آزاد مرضی سے ہو، کسی دباؤ یا سیاسی اثر کے بغیر۔ چہارم، ریاست کی ذمہ داری کہ وہ قصاص و دیت کے ساتھ مجرم کی اخلاقی اصلاح اور متاثرہ خاندان کی کفالت کے نظام کو بھی قائم رکھے۔ انہی تقاضوں کی روشنی میں اس نظام کو سمجھنا چاہیے: یہ دراصل سزا، تلافی اور بخشش کا ایک ایسا متوازن امتزاج ہے جس کا حتمی مقصد انسانی جان کی حرمت کا قیام ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ قصاص عمدی قتل و زخم میں مساوی بدلے کا قانونی اصول ہے جس کا حق اولیائے دم کو ہے مگر اجرا عدالت کے پاس ہے، جبکہ دیت خطا اور شبہ عمد میں مالی تلافی کا نظام ہے جس میں عاقلہ کی شراکت اس کی نمایاں حکمت ہے۔ دونوں کا باہمی تعلق انتخاب اور درجات کا ہے: معافی قصاص کو دیت میں یا مکمل بخشش میں بدل سکتی ہے۔ انصاف کے تقاضے سخت ثبوت، مساوات، آزادانہ صلح اور ریاستی نگرانی ہیں اور ان کے بغیر اس نظام کا کوئی جزو بھی اپنے اصل مقصد یعنی زندگی کے تحفظ کو حاصل نہیں کر سکتا۔

سوال نمبر 5: حدود، قصاص اور تعزیرات کا باہمی تعلق اور عملی اہمیت (20 نمبر)

سوال نمبر 5: اسلامی فوجداری نظام میں حدود، قصاص اور تعزیرات کے باہمی تعلق کو واضح کریں اور عملی اہمیت کا تجزیہ کریں۔ (20)

تعارف

اسلامی فوجداری نظام تین باہم مربوط شعبوں پر مشتمل ہے: حدود، قصاص و دیات، اور تعزیرات۔ ان تینوں کو الگ الگ پڑھنا آسان ہے مگر ان کی اصل خوبصورتی ان کے باہمی تعلق، درجہ بندی اور ہم آہنگی میں ہے، کیونکہ اسلامی قانون نے جرائم کو ان کی نوعیت، نقصان اور حق دار کے فرق کے مطابق تین خانوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کے لیے الگ سزا، الگ ثبوت اور الگ اختیار مقرر کیا ہے۔ اس جواب میں پہلے تینوں شعبوں کا مختصر تعارف آئے گا، پھر ان کے باہمی تعلق کو درجہ بندی اور تکمیل کے اعتبار سے واضح کیا جائے گا، اور آخر میں اس درجہ بندی کی عملی اہمیت کا تجزیہ کیا جائے گا، جس سے معلوم ہو گا کہ یہ نظام سزا کے جدید نظریات یعنی روک تھام، تلافی اور اصلاح تینوں کو ایک ساتھ کیسے جمع کرتا ہے۔

تینوں شعبوں کا تعارف

حدود وہ متعین سزائیں ہیں جو قرآن و سنت سے ثابت ہیں اور حق اللہ مانی جاتی ہیں، مثلاً زنا، قذف، چوری، شراب نوشی اور حرابہ کی سزائیں۔ ان کی خصوصیات یہ ہیں کہ سزا نص سے مقرر ہے، قاضی کو اس میں کمی بیشی کا اختیار نہیں، ثبوت کا معیار سخت ترین ہے، شبہ سے سزا ساقط ہو جاتی ہے، اور ثابت ہو جانے کے بعد معافی یا سفارش کی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ حق کسی فرد کا نہیں بلکہ اللہ اور معاشرے کا ہے۔ قصاص و دیت کا تعلق جان و عضو کے جرائم سے ہے جن میں حق کی نوعیت بنیادی طور پر حق العبد ہے؛ اسی لیے اولیائے دم کو قصاص، دیت یا معافی کا اختیار حاصل ہے، سزا اور معاوضہ دونوں ممکن ہیں، اور ان کا تبادلہ بھی قانوناً درست ہے۔ تعزیرات ان تمام جرائم کی سزائیں ہیں جن کی نہ حد مقرر ہے نہ قصاص؛ ان میں قاضی اور قانون ساز کو جرم کی نوعیت، مجرم کی حالت اور معاشرتی مصلحت کے مطابق تنبیہ سے لے کر قید، جرمانہ وغیرہ تک مناسب سزا مقرر کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ تعزیر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور اسی کے ذریعے ہر دور کے نئے جرائم، مثلاً فراڈ، رشوت، ماحولیاتی جرم یا سائبر جرم، اسلامی قانون کے دائرے میں قانون سازی کے ذریعے آ سکتے ہیں۔ یوں تینوں شعبے مل کر ایک مکمل نظام بنتے ہیں جس میں کچھ حصہ ثابت و مقرر ہے اور کچھ حصہ وقت کے تقاضوں کے مطابق لچک رکھتا ہے۔

Figure 1: Three Categories of Islamic Criminal Law (schematic)

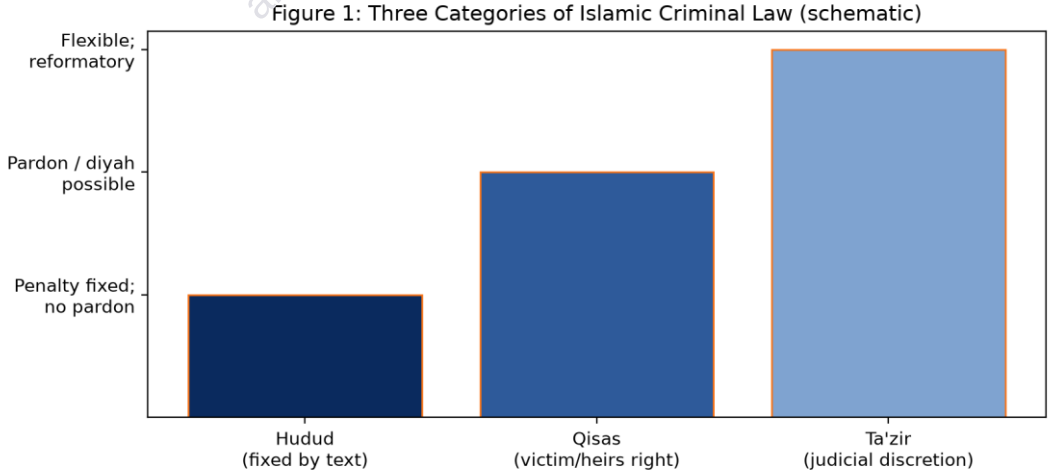

خاکہ 2: اسلامی فوجداری نظام کی تین اقسام — خاکے کی صورت میں

باہمی تعلق کی وضاحت

ان تینوں کا پہلا تعلق درجہ بندی کا ہے: حد سب سے اوپر ہے جہاں نص موجود ہو؛ جہاں جان و عضو کا معاملہ ہو وہاں قصاص آتا ہے؛ اور جہاں نہ حد ہو نہ قصاص، وہاں تعزیر اس خلا کو پر کرتی ہے، اس لیے کوئی جرم نظام سے باہر نہیں رہتا۔ دوسرا تعلق تبادلے اور تکمیل کا ہے: شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے تو جرم ثابت ہونے کی صورت میں قاضی تعزیر دے سکتا ہے؛ قصاص معاف ہو جائے تو دیت یا تعزیر کی صورت باقی رہتی ہے؛ یوں ایک شعبے کی کمی دوسرے سے پوری ہوتی ہے اور مجرم سزا سے کلیتاً بچ نہیں نکلتا، مگر بے گناہ جبراً حد کا نشانہ بھی نہیں بنتا۔ تیسرا تعلق حق کی نوعیت کا ہے: حدود میں حق اللہ غالب ہے، اس لیے معافی نہیں، قصاص میں حق العبد غالب ہے اس لیے معافی ممکن ہے، اور تعزیر میں مصلحتِ عامہ غالب ہے اس لیے ریاست کو اختیار وسیع ہے۔ چوتھا تعلق مقاصد کا ہے: تینوں کا مشترکہ مقصد مقاصدِ شریعت یعنی دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت ہے؛ حدود علامتی روک اور اقدار کی سرحدیں متعین کرتی ہیں، قصاص جان کی حرمت اور متاثرہ خاندان کے حق کو قائم کرتا ہے، اور تعزیر روزمرہ نظم و ضبط اور نئے مسائل کو سنبھالتی ہے۔ فقہاء نے اسی تناسب کو یوں بھی بیان کیا ہے کہ شریعت نے چند سنگین جرائم کو نمونہ بنا کر سخت سزا مقرر کی مگر ان کے ثبوت کو اتنا مشکل رکھا کہ اصل عملی قانون زیادہ تر تعزیر کی صورت میں چلے، یعنی سختی اصول میں ہے اور احتیاط عمل میں۔

جدول 5: حدود، قصاص اور تعزیرات کا موازنہ

پہلو	حدود	قصاص و دیات	تعزیرات
سزا کی تعیین	نص سے مقرر، قاضی کو اختیار نہیں	قصاص مقرر؛ دیت کی مقدار متعین	قاضی و قانون ساز کی صواب دید
حق کی نوعیت	حق اللہ غالب	حق العبد غالب	مصلحتِ عامہ و نظم
معافی	ثبوت کے بعد معافی نہیں	اولیائے دم معاف کر سکتے ہیں	حالات کے مطابق ممکن
شبہ کا اثر	شبہ سے حد ساقط	شبہ سے قصاص ساقط، دیت ممکن	ثبوت کے تناسب سے سزا

باقی تمام جرائم، نئے جرائم سمیت	قتل و زخم کے جرائم	چند متعین سنگین جرائم	دائرہ
سب سے زیادہ	درمیانی (صلح و معافی)	کم ترین	لچک

عملی اہمیت کا تجزیہ

اس درجہ بندی کی عملی اہمیت متعدد جہتوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ قانون کی یقینیت کے اعتبار سے حدود اور قصاص کی متعین سزائیں شہری کو پہلے دن سے بتا دیتی ہیں کہ کن افعال کی سزا قطعی ہے، جس سے روک تھام کا نفسیاتی اثر پیدا ہوتا ہے جبکہ تعزیر حکومت کو بدلے جرائم سے نمٹنے کی لچک دیتی ہے؛ یہی امتزاج جدید دنیا کے متعین سزا اور لچکدار سزا کے درمیان توازن کی عمدہ مثال ہے۔ عدالتی احتیاط کے اعتبار سے یہ نظام دنیا کو یہ اصول دیتا ہے کہ جتنی سخت سزا ہو اتنا ہی سخت ثبوت ہو، اور نقص ناقابلِ تلافی ہو تو شبہ کا فائدہ ملزم کو ملے، جو آج کے اصولِ بریت سے مکمل ہم آہنگ ہے۔ انسانی وقار کے اعتبار سے قصاص میں متاثرہ فریق کو فریق بنانا اور معافی کو فضیلت قرار دینا متاثرہ خاندان کی نفسیاتی تسکین اور معاشرتی صلح کا ذریعہ بنتا ہے، جبکہ تعزیر میں اصلاحی سزائیں، مثلاً تنبیہ، جرمانہ اور بحالی، مجرم کو معاشرے کا مفید فرد بنانے کی طرف لے جاتی ہیں۔ انتظامی اعتبار سے یہ تقسیم ریاست کو یہ بھی سکھاتی ہے کہ ہر جرم کو ایک ہی پیمانے سے نہ ناپا جائے: سنگین و متعین جرائم میں سختی، انسانی جان کے معاملات میں فریق کی مرضی اور تلافی، اور عمومی نظم کے معاملات میں متناسب صواب دید۔ پاکستان کے قانون میں بھی حدود قوانین، قصاص و دیت کے قانون اور تعزیرات پر مبنی تعزیراتِ پاکستان کی صورت میں یہی تین خانے موجود ہیں، جس سے اس تقسیم کی عملی زندگی واضح ہوتی ہے۔ نقصان صرف تب پیدا ہوتا ہے جب کسی ایک شعبے کو باقی نظام سے کاٹ کر نافذ کیا جائے، کیونکہ ان تینوں کی اہمیت باہم مشروط ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ حدود، قصاص اور تعزیرات باہم مربوط ایک مکمل فوجداری نظام ہیں: حدود متعین اور غیر لچکدار مگر ثبوت میں مشکل ترین، قصاص حق العبد کی بنیاد پر تلافی و معافی کی گنجائش رکھنے والا، اور تعزیر لچکدار و اصلاحی شعبہ ہے جو نظام کو ہر دور کے جرائم سے ہم آہنگ رکھتا ہے۔ ان کا باہمی تعلق درجہ بندی، تکمیل اور مقاصد کی وحدت پر

قائم ہے، اور ان کی عملی اہمیت یہ ہے کہ یہ نظام سختی و نرمی، یقینیت و لچک اور سزا و اصلاح کا وہ توازن پیش کرتا ہے جس کی تلاش جدید قانون بھی کرتا ہے۔ یہ تمام نفاذ بہر حال

عدالت اور ریاست کا کام ہے اور یہ بحث علمی مطالعے کی حد تک ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com